اسلام اور قومیت

راناصابر نظامی

ادارہ تفہیم اسلام
قذافی مارکیٹ۔ اردو بازار، لاہور

اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ (یوسف-۱۰۲)

"اے رسول. یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف بھیج رہے ہیں ورنہ تم اس وقت موجود نہ تھے. جب یوسف کے بھائیوں نے آپس میں اتفاق کرکے سازش کی تھی."

۶۔ تِلْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا. (ھود-۴۹)

"اے رسول. یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف بھیج رہے ہیں اس سے پہلے نہ تم خود جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم."

۷۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ.

"اے رسول. یہ غیب کی خبریں جو ہم تمہاری طرف بھیج رہے ہیں. تم اس وقت موجود نہ تھے جب ہیکل کے خادم یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ مریم کا سرپرست کون ہو، وہ اپنے قلم پھینک رہے تھے."

۸۔ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝

وہ (یعنی رسول) غیب کی آئی ہوئی بات کے نہ بتانے پہ بخیل نہیں.

اس آیت میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ غیب کی جو چیز اور جو واقعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے، میرا رسول اس کو پورے کا پورا لوگوں تک پہنچا دیتا ہے وہ ایسا بخیل نہیں کہ اس کو کوئی خبر دی جائے اور وہ لوگوں تک نہ پہنچائے. اسی آیت نے مزید وضاحت کر دی ہے کہ جس رسول کو غیب کی خبروں اور واقعات کے بارے میں اطلاعات دی گئی ہیں اس نے ان کو اپنی امت تک آگے پہنچایا ہے. گویا غیب کی خبر اور دیگر علوم کی خبروں اور اطلاعات کے بارے میں کوئی فرق نہیں. ہر قسم کا جو علم آیا ہے وہ وحی الٰہی ہے. ان غیب کی خبروں کو کل غیب قرار دیا جائے تو اس کے دو نقصان ہوں گے. ایک یہ کہ خدا کی صفت غیب میں برابری ہو گی دوسرے قیامت تک وہ لوگ بھی جھوٹے غیب دان سمجھے جائیں گے جو اسلام کا تھوڑا بہت علم حاصل کریں.

۹۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ۔ (آل عمران۔ ۱۷۹)

"اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ غیب کی خبروں پہ مطلع کرے مگر اپنے رسولوں اور نبیوں میں سے جس پہ چاہتا ہے مطلع کرتا ہے۔"

۱۰۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ (الجن۔ ۲۶-۲۷)

"وہی کلی عالم غیب ہے۔ وہ اپنی غیب کی خبروں پر کسی کو اطلاع نہیں دیتا۔ مگر اس رسول کے لئے جسے اس نے (غیب کی خبروں کا علم دینے کے لئے) پسند کر لیا ہو۔ وہ اس کے آگے اور پیچھے محافظ لگا دیتا ہے۔"

چونکہ اللہ کی صفات لامحدود ہیں۔ پوری کائنات کے بارے میں ہیں جیسا کہ اللہ بھی سنتا ہے اور بندے بھی سنتے ہیں۔ مگر اللہ پوری کائنات کی باتیں سنتا ہے اور بندے صرف ایک حد تک سنتے ہیں۔ اس سے آگے انہیں کوئی علم نہیں۔ جس طرح خدا بھی دیکھتا ہے اور بندے بھی دیکھتے ہیں۔ لیکن خدا کی نظر لامحدود ہے اور بندوں کی نظر صرف ایک حد تک ہے۔ اس سے آگے نہیں۔ اس طرح خدا بھی غیب دان اور علیم ہے اور اس کے بعض رسول بھی علیم اور غیب دان ہیں۔ لیکن خدا پوری کائنات کا ہر وقت علیم اور غیب دان ہے۔ مگر بعض رسول صرف اتنے ہی غیب دان اور علیم ہیں جس حد تک ان کو خبریں دی گئی ہیں جس قدر ان کو علم سے نوازا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ لامحدود غیب دان اور علیم ہے۔ اس کے بعض رسول صرف ایک حد تک علیم اور غیب دان ہیں۔ ان کا غیب کلی نہیں بلکہ غیب کی کچھ خبروں کا حصّہ ہے۔ اللہ بھی حلیم ہے اور اس کے خالص بندے بھی حلیم ہیں۔ لیکن اللہ لامحدود اور مافوق الاسباب حلیم ہے جبکہ خالص بندے ایک حد تک۔ اور پھر صرف زندگی میں حلیم ہیں۔ اس طرح اللہ بھی نصیر اور ناصر ہے۔ لیکن

Marfat.com

اس کے بندے بھی نصیر اور ناصر ہیں. لیکن اللہ تعالیٰ لامحدود اور مافوق الاسباب نصیر اور ناصر ہے جبکہ جن اور انسان اور دیگر مخلوقات صرف ماتحت الاسباب اور صرف زندگی میں نصیر اور ناصر ہیں. وہ بھی اس حد تک جس حد تک ان کے پاس مدد کرنے اور کرانے کی طاقت اور اختیار ہے. اللہ بھی نافع اور ضار ہے. لیکن اس کے انبیاء اور اولیاء جن اور دیگر انسان بھی اپنی اپنی زندگی میں ماتحت الاسباب ضار اور نافع ہیں. لیکن اللہ تعالیٰ لامحدود اور مافوق الاسباب اور مستقل طور پر ہمیشہ اور ہر وقت کے لئے ضار اور نافع ہے. جبکہ اس کے انبیاء اور اولیاء اور دیگر انسان اور مخلوقات صرف اپنی زندگی میں ایک خاص حد تک نافع اور ضار ہیں. اس سے زیادہ کے اختیارات ان کے پاس نہیں. وہ بھی اگر کسی وقت اللہ تعالیٰ چھین لے یا روک دے تو کوئی دوسرے کو نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان دے سکتا ہے. فوت ہونے اور انتقال فرما جانے کے بعد یہ اختیارات بھی ختم ہو جاتے ہیں. اس کے بعد کوئی رسول اور نبی، کوئی ولی اور بزرگ، کوئی جن اور انسان اور کوئی دوسری مخلوق نہ کسی کو نفع پہنچا سکتی ہے اور نقصان دے سکتی ہے. زندگی میں انبیاء اور اولیاء نے لوگوں کو اسلام سکھایا. جنت کے قابل بنایا. عذابِ برزخ اور عذابِ جہنم سے بچایا. انسانی فلاح و بہبود کے لاکھوں کام کئے. اور جنگوں میں مشرکوں اور بدعتیوں کو ایک حد تک نقصان پہنچایا. ان سے نظام حکومت چھینا. صالحین کو اقتدار سونپا. اس طرح اپنی زندگی میں جو نفع وہ لوگوں کو پہنچا سکتے تھے، وہ پہنچایا. اور جو مشرکوں کو نقصان پہنچا سکتے تھے وہ پہنچایا. لیکن یہ سب کچھ ماتحت الاسباب کیا.

قرآنی آیات سے یہاں تک تو معلومات ملتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ موجودہ اور مستقبل کے کچھ حالات اور واقعات کی اپنے بعض رسولوں کو ایسی اطلاعات دی ہیں جو اولیاء کو تو درکنار بلکہ کچھ دوسرے رسولوں اور نبیوں کو بھی ان واقعات کا علم نہیں دیا تھا. لیکن یہاں علم کے ایک حصہ کا جھگڑا نہیں بلکہ کل علم غیب کا جھگڑا ہے جو جان بوجھ کر پیدا کیا گیا ہے. اس کے پیدا کرنے کی ضرورت بعض شرک پسند لوگوں کو ہوئی. جو نہ صرف زندگی میں بلکہ زندگی سے پہلے اور پھر زندگی کے بعد قیامت تک نہ صرف دنیا والی زندگی کے قائل ہیں. بلکہ وہ تمام رسولوں اور تمام ولیوں

Marfat.com

اور بزرگوں کی بھی یہی پوزیشن سمجھتے ہیں، وہ ان کو کلی غیب دان۔ اس لئے تصور کرتے ہیں کہ مشرک لوگوں پہ واضح کیا جائے کہ انبیاء اور اولیاء ہر جگہ موجود ہیں۔ وہ سمیع اور خبیر ہیں وہ شہید اور وکیل ہیں۔ وہ ہمیشہ کے لئے ہر وقت نافع اور ضار ہیں۔ دن اور رات خواہ تم اکیلے پکارو یا سب دنیا کے لوگ اکٹھے ہو کر اپنی اپنی بات سناؤ۔ وہ نہ صرف سنتے ہیں بلکہ وہ اختیارات کے مالک ہیں کہ جو چاہیں تم کو دیں۔ اگر وہ یہ بات مان لیں کہ صرف اکیلا اللہ ہی زمین آسمان میں کلی غیب دان ہے تو وہ شرک پسند لوگوں کی ضرورت پوری نہیں کر سکتے جس میں یہ کہا جائے کہ کچھ رسول غیب کی خبروں کے ایک حصہ کو جانتے تھے۔ عام لوگوں کی نسبت ان کا علم کہیں بہت زیادہ ہے۔ جس طرح حضرت یعقوب نے فرمایا تھا کہ اے بیٹو! میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں اگر سب کچھ بتا دیتا تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے۔ جس طرح ایک چیف آف سٹاف دوسرے فوجیوں سے زیادہ معلومات رکھتا ہے اور اسے واقعی زیادہ معلومات کا مالک ہونا چاہیئے۔ اسی طرح رسول اور نبی بھی عام لوگوں کی معلومات سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اب ہمارے پاس ایسا کوئی پیمانہ نہیں اور نہ ہونا چاہیئے کہ علم غیب کا کتنا حصہ رسول جانتے تھے۔ کتنی غیب کی خبروں پر ان کا علم تھا۔ بہر حال اتنا ایمان ضروری ہے کہ انہیں غیب کی خبروں کا کچھ حصہ حاصل تھا۔ لیکن ایک حقیقت پسند گروہ جو پاکستان میں اہلِ حدیث کے نام سے معروف ہے وہ اس بات کا قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم آیا وہ ہمیشہ وحی الٰہی پر مبنی ہے۔ اسلامی دعوت جن طریقوں سے حضورؐ کے پاس آئی وہی طریقہ غیب کی خبروں کے آنے کا ہے۔ دونوں ہی وحی پر مبنی ہیں۔ لہذا اس کو غیب نہیں بلکہ وحی الٰہی کہا جائے۔ وہ اسی بنیاد پر محض وحی الٰہی سمجھتے ہیں۔ وہ غیب اور دوسرے علوم ایک ہی علم یعنی اسلام۔ شریعت اور وحی سے متعلق ہیں۔ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی خبریں غیب نہیں رہتیں۔ اللہ نے حضورؐ کو بتایا اور پھر حضورؐ نے لوگوں کو بتایا۔ اگر غیب کو نبیوں کے ساتھ منسلک کر دیا گیا تو پھر تو صحابہ کو بھی غیب دان بلکہ ہر اہلِ علم اور قرآن و حدیث جاننے والے مسلمانوں کو جزوی طور پر غیب دان کہنا پڑے گا۔ فرق صرف اتنا ہو گا کہ انبیاء کرام

Marfat.com

غیب کی خبروں سے زیادہ متعارف ہوں گے۔ صحابہ ان سے کم اور دیگر اہلِ علم ان سے کم غیب کی خبروں کو جاننے والے ہوں گے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ سورہ تکویر کی آیت ۲۲ کے مطابق تو اللہ کا رسول کسی غیب کی خبر کو اپنی حد تک محدود نہیں رکھتا بلکہ وہ اس کو لوگوں تک پہنچا دیتا ہے۔ ان کی تاویل کے مطابق تمام علوم اسلام وحی سے پہلے غیب تھے اور وحی آنے کے بعد غیب نہ رہے۔ لہٰذا کلی عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ لہٰذا ان کی اس تاویل کی موجودگی میں ان پر نہ کوئی اعتراض ہو سکتا ہے نہ کوئی فتویٰ لگایا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف قرآن و حدیث کے بہت سے واقعات کے پیشِ نظر اگر رسولوں کو جزوی طور پہ بہت سی خبروں کا (نہ کہ کلی حالات اور واقعات کا) غیب دان کہا جائے تو یہ بات بھی اتنی قابلِ اعتراض نہیں۔ اگر ایک طبقہ (تمام غیب نہیں) بلکہ کچھ غیب کی خبروں کو۔ کچھ انبیاء اور رُسل کو حامل ٹھہراتا ہے تو اس کی بات پہ بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ وہ وحی کے ایک حصہ اور وحی کے کچھ واقعات کو غیب کہتا ہے جبکہ دوسرا گروہ وحی کے علم کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کرتا۔ لیکن اگر دو حصوں میں کوئی آدمی تقسیم کر لیتا ہے تو اس کی وہ تاویل قابلِ غور ہے کہ انبیاء اور رُسل کو عام لوگوں کی نسبت بہت سا علم ہوتا ہے۔ یہ لمبی بحث اس لئے کی گئی ہے کہ تمام پہلو سامنے آ جائیں۔ لیکن یہ بات قطعی ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا تمام غیب جاننے والا ہے اور کچھ رسول غیب کے ایک حصہ کو جاننے والے ہیں (نہ کہ کلی غیب)، گزشتہ واقعات کہ غیب کا تعلق انبیاء کو وحی سے پہلے نہ تھا اور مستقبل کے واقعات کے بارے میں بھی بتا دیا گیا کہ فلاں فلاں چیزوں کا ہم کو کوئی علم نہیں۔ انہیں صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ ہم مسلمان مجبور ہیں کہ بات اور واقعات کو اسی طرح بیان کریں جس طرح حضورؐ نے بیان کیا ہے۔ اگر حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے قیامت کے علم کا کوئی پتہ نہیں۔ یا میں کلی غیب نہیں جانتا بلکہ وہی جانتا ہوں جو وحی کے ذریعہ بتایا گیا۔ میں لوگوں کے لئے نافع اور ضار نہیں۔ اگر مجھ میں یہ صفت اور اختیار ہوتا تو مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ آتی تمام بھلائیاں اور آسانیاں حاصل کر لیتا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ خدا ہر انسان کے ساتھ ہر جگہ ہے۔ میں نہیں ہوں۔ بارش برسانے کا اختیار اللہ کے پاس ہے میرے پاس نہیں۔ مجھے کوئی پتہ نہیں کہ کس آدمی

Marfat.com

کہ کس جگہ اور کب موت آئے گی۔ اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کی موت کے بارے میں اطلاع دے دے۔ اگر حضورؐ نے کائنات اور زمین و آسمان کے مناظر کو پہلے دیکھا ہوتا تو پھر آپؐ کو معراج کرانے اور کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اور اگر جنگِ احد میں شکست ہونے کا پتہ ہوتا تو آپؐ ہرگز جنگ نہ لڑتے۔ لیکن کچھ واقعات کی اطلاع آجاتی وہی آپؐ ان سے لوگوں کو آگاہ کر دیتے تھے۔ اگر ھدھد یہ بات کہہ دے کہ اے سلیمان آپ کو ملک سبا کے واقعات کا کوئی پتہ نہیں۔ اور ایک چیونٹی اعلان کرے کہ بے خبری میں اے چیونٹیو! تم کو حضرت سلیمان اور ان کا لشکر تباہ نہ کر دے۔ اور پھر ان کے یہ کہنے سے کوئی بے ادبی ظاہر نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان حضورؐ کے ارشاد کے مطابق یہ کہہ دے کہ حضورؐ کو فلاں فلاں چیز کا علم نہیں دیا گیا۔ اور پھر اس بات پہ اللہ کی گواہی بھی ہو تو کیا ہم اللہ تعالیٰ اور حضورؐ کے احکام کو تبدیل کر دیں؟ ان کی ہدایات کا انکار کر دیں۔ یا یہ کہیں کہ نہیں ان کو پتہ تھا۔ اس طرح اسلام کا معیار ہی بدل جاتا ہے۔ معیار کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ بات اسی طرح بیان کی جائے جس طرح اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول نے بیان کی ہے۔ کیا کسی مسلمان کا یہ عقیدہ درست ہو سکتا ہے کہ وحی آنے سے پہلے بھی نبی کو واقعات کا پتہ ہوتا ہے؛ تو پھر وحی اور خدا کے حکم کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؛ پھر تو جبرائیلؑ اور پردے پیچھے کلام کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر تو دل پر بھی حکم اتارنے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ تمام علم ایک ہی دفعہ اتار دیا جاتا ہے جو وہ پیدائش کے وقت دیا گیا یا نبوت کے آغاز میں دیا گیا۔ قرآن و حدیث میں یہ بات کہاں ہے؟ کتنے دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ خواہش نفس کو وکیل صفائی کا کردار ادا کرنے کے لئے وقف کر دیا ہے۔ مقدمہ اور مناظرہ میں فوقیت اور کامیابی ہو چاہے دنیا بھر کا پورا جھوٹ بولنا پڑے۔ ایسی سوچ اور ایسی فکر پر خدا کی لعنت۔ انبیاء اور رُسل کے علم کے بارے میں تو دعویٰ سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کتنا تھا۔ لیکن ایک بات دعویٰ سے کہی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے سارے گروہ کو یا کسی الگ رسول کو زمین اور آسمانوں کا کلی اور تمام غیب نہیں دیا تھا۔ اگر خدا کی طرف سے کلی علم دیا گیا ہوتا تو اللہ اپنے بارے میں یہ دعویٰ نہ فرماتا

Marfat.com

کہ زمین اور آسمانوں کا کل غیب صرف اسے ہی حاصل ہے۔ اگر اس نے اپنے کسی رسول کو کل علم دیا ہوتا تو وہ خود کہہ دیتا کہ میں نے فلاں رسول کو کل علم دیا ہے یا کوئی رسول خود ہی دعویٰ کر دیتا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے زمین اور آسمانوں اور کان مایکون کا علم عنایت فرما دیا ہے۔ اگر اللہ اور اس کے کسی رسول کی طرف سے کسی کے لئے کل علم یا کل غیب کا کوئی دعویٰ نہیں تو پھر تمام انسانوں میں سے کسی کو کیا ضرورت ہے کہ وہ خواہ مخواہ کسی رسول کو کل غیب یا کان مایکون کے علم کا مالک بنائے۔ اگر کوئی عالم یا پیر اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ یا حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ مسیحؑ یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین اور آسمانوں کا کان مایکونؑ کا زندگی اور موت دونوں صورتوں میں علم دیا گیا ہے تو پھر وہ ایک الزام تو اللہ پر لگاتا ہے کہ وہ اکیلا زمین اور آسمانوں کا علیم الغیب نہیں بلکہ بعض دوسرے رسول بھی ہیں جبکہ اللہ کا دعویٰ ہے کہ وہ اکیلا زمین اور آسمانوں کا علیم الغیب ہے۔ دوسرا الزام وہ اپنے رسول پر لگاتا ہے کہ کسی رسول نے تو زمین اور آسمانوں کے کل علم الغیب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور ہم ان کو کل علیم الغیب سمجھتے ہیں۔ کان مایکون کا نہ صرف جانتے ہیں۔ نہ صرف زندگی میں بلکہ موت کی حالت میں بھی۔ اس سے بڑھ کر ہم ان پر یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ وہ کائنات میں ضار اور نافع بھی ہیں۔ حالانکہ نہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ماخوق الاسباب میں ضرر اور نفع کا اختیار دیا ہے اور نہ انبیائے کرام نے اپنے ضار اور نافع ہونے کا دعویٰ کیا ہے بلکہ تمام انبیاء نے اپنے اپنے دور میں اعلان کیا ہے کہ ہماری ڈیوٹی اور فرض اتنا ہے کہ خدا کی طرف سے آئے ہوئے احکام اور ہدایات لوگوں تک پہنچا دیں اور ان کو حکم کی علت اور اس کی عملی صورت بتا دیں۔ تاکہ لوگ اپنی اپنی زندگی میں حکم اور اس کی عملی صورت سے اپنے رب کو راضی کر سکیں۔ نہ صرف اس دنیا میں اپنے آقا کی نعمتیں حاصل کریں بلکہ آخرت میں بھی ہر قسم کے منافع اور انعامات سے لطف اندوز ہوں۔

جہاں "دین الدین" جو انسانی زندگی کا مکمل نظام ہے جو انسانوں کے کل مسائل کا حل ہے جس پر انسان کی دنیا اور آخرت کی کامیابی اور ترقی ہے۔ وہ تو

دنیا میں ہر آنے والے رسول اور نبی کو یکساں دیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنی اپنی امت اور قوم کو اس کی تعلیم دی۔ یہ علم کسی رسول پر نئے سرے سے پورے کا پورا نازل کیا گیا۔ اور کسی رسول کو پہلے سے آئے ہوئے رسول کی کتاب کا حامل بنایا گیا۔ لیکن جو مخصوص علم ماضی، حال اور مستقبل کی اضافی معلومات کے بارے میں جو مختلف زمانوں کے واقعات سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کا تعلق انسانی مسائل سے نہیں، غالباً اسی علم کو غیب کی خبروں کے ایک حصہ سے منسوب کیا گیا ہے۔ واقعات، حالات اور قرائن بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس علم کا کچھ حصہ قرآنِ پاک کے ارشاد کے مطابق کچھ رسولوں کو دیا گیا ہے اور کچھ کو نہیں۔ ان کا علم وحی الٰہی کے ذریعہ تھا۔ وحی آنے سے پہلے اس کا کوئی پتہ نہ تھا۔ جس کی وضاحت قرآن پاک میں جگہ جگہ ہے کہ وہ وحی آنے سے پہلے نہیں جانتے۔ وحی ہی جاننے کا ذریعہ ہے۔

Marfat.com

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی۔

اختلافی مسائل اور ان کا نقطۂ عدل

اسلام وحدت کا پیام لیکر آیا تھا مگر اس وقت جہل و تعصب کے ہاتھوں میں پڑ کر وہ اختلاف و نزاع کی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ مذہب کے چند جزئی مسائل نے باہمی ہنگامہ آرائیوں کا جو طوفانِ عظیم بپا کر رکھا ہے، ان کی حقیقت پر جب میں نے پوری طرح غور کیا تو یہ پایا کہ گروہ حق و اعتدال کے مرکز سے کچھ نہ کچھ ہٹا ہوا ہے اور بیجا تعصب و غلو سے کام لے رہا ہے۔ ہر ایک اتباعِ حق کا مدعی ہے، مگر بجائے اس کے اخلاص طلب شاہراہ پر چلنے کے، اپنے جذبات کی لہروں میں بہ رہا ہے۔ مجھے رحمتِ الٰہی کا شکر گذار ہونا چاہیے کہ اس نے مجھے عدل کا میزان بھی بخش دیا ہے جس پر حق اور باطل کو تول کر میں اندازہ کر رہا ہوں کہ حق کی سیدھی صاف راہ کون سی ہے، اور وہ اس وقت کس طرح اختلافات کی خار زار بن گئی ہے۔ اور عداوتوں اختلافات کی بنیاد کیا ہے۔

اہلِ زمانہ کی اس افسوسناک حالت کو دیکھکر فوری معلوم ہوا کہ اُن مسائل کی اصل حیثیت انہیں سمجھا دی جائے جن کے اندر ان کے افکار اُلجھ کر رہ گئے ہیں۔ اور جن کی بنا پر آج میں ان کے قلم بغیر کسی کی بصیرت کے بیجا جوش و خروش کا اظہار کر رہے ہیں۔

ان میں سے سب سے اہم مسئلہ تقلید کا ہے۔ ائمہ اربعہ کی تقلید کا جواز قریب قریب ساری اُمت کا اجماعی مسئلہ ہے۔ اور اس کے اندر جو صالح دماغ ایسے ہیں جو دیکھنے والی آنکھ

Marfat.com

دیکھ سکتی ہے. خصوصًا اس آشوب زمانہ میں جبکہ عام قوائے فکر یہ پر جمود اور دوں ہمتی کی موت سی طاری ہے. دلوں میں طلب حق کا کوئی جوش اور ولولہ باقی نہیں. شریعت کے قوانین انسانی آراء پر قربان کیے جا رہے ہیں، اور ہر کس و ناکس خود پرستی اور خود رائی کے نشہ میں چور ہے۔

تقلید کے بارے میں ابن حزم کے اس قول نے کہ "آیات قرآنی اور اجماع سلف رہ سے تقلید حرام ہے اور خود ائمہ مجتہدین نے اپنی تقلید سے منع فرمایا ہے" لوگوں کو عجیب غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے اور ہر عامی و جاہل پر اس کا اطلاق ہوتا ہے حالانکہ یہ قول بجائے خود بالکل برحق ہے۔ اپنا ایک خاص محل اور معنی رکھتا ہے اور اس کا اطلاق ایسے شخص پر ہوتا ہے:

۱۔ جو اپنے اندر اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو، خواہ ایک ہی مسئلہ میں سہی۔

۲۔ جو اچھی طرح جانتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں بات کا حکم دیا ہے یا فلاں بات سے روکا ہے، اور یہ حکم منسوخ نہیں ہے۔ اس بات کا علم خواہ اُسے احادیث کے تتبع اور مخالف و موافق دلائل کے استقراء سے حاصل ہو، یا یہ دیکھ کر کہ ارباب علم و بصیرت کا سواد اعظم اس طرف جا رہا ہے اور مخالف کے پاس قیاس آرائیوں اور منطقی دقیقہ سنجیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے، وہ اس نتیجہ پر پہنچ جائے کہ ایسی صورت میں حدیث نبوی کی مخالفت کا سبب یا تو کھلا ہوا حمق ہو سکتا ہے یا کوئی چھپا ہوا نفاق۔

شیخ عز الدین عبدالسلام اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حیرت ہوتی ہے ان تقلید پرست فقہاء پر جو اپنے امام کی اجتہادی غلطی سے واقف کے بعد اس کے قول پر سختی سے جمے رہتے ہیں اور اسے ترک کر کے کسی ایسے قول کو اختیار کرتے جو اپنی صحت پر کتاب و سنت اور قیاس صحیح کے بے شمار شواہد رکھتا ہو۔ بلکہ اوقات تو یہ نادان اس اندھی تقلید کے اندھے جوش میں عمدًا خواہر کتاب و سنت کی مخالفت پر تل جاتے ہیں اور اپنے امام کی اصابت رائے بلکہ "معصومیت" ثابت کر

Marfat.com

لیے نصوص شرعیہ کی ایسی رکیک، مہمل اور فاسد تاویلیں کرتے ہیں کہ ان سے بڑھ کر تحریف کلام کی مکروہ اور حیرت انگیز مثال شاید ہی مل سکے،، پھر ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

"صدر اول میں جس سے بڑھ کر مبارک اور حق شناس دور شاید قیامت تک نہ آئے، لوگوں کا حال یہ تھا کہ جس عالم دین کو پاجاتے اس سے فتوی پوچھ لیا کرتے تھے۔ بغیر اس تحقیق اور تجسس کے کہ یہ عالم کس خیال اور مسلک کا پیرو ہے۔ لیکن اس دور کے بعد حالت میں ایک عظیم شان فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ چار مذاہب اور ان کے جامد مقلدین کا ظہور ہوتا ہے اور ہدایت کے اصل مرکز سے بالکل بے پروا ہو کر صرف ائمہ کے اقوال پر اعتماد کر لیا جاتا ہے خواہ ان کا کون قول کتنا ہی کمزور اور بے دلیل و حجت ہو۔ گویا مجتہد، مجتہد نہ رہا، اللہ کا رسول بنا لیا گیا۔ جو خود معصوم ہے اور اس کی ہر بات وحی الہی ہے۔ یہ راستہ حق کا راستہ نہیں ہے بلکہ سراسر جہل اور باطل کا راستہ ہے۔"

امام ابو شامہ کا فیصلہ بھی سننے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں۔

"جو شخص فقہ سے دلچسپی رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ کسی ایک ہی امام کے مذہب پر اکتفا نہ کرے بلکہ مجتہد کے اقوال پر نظر ڈالے تمام کے اندر ڈوب کر حق کا سراغ لگائے اور ان غواصی میں اسے جو قول قرآن و سنت سے زیادہ اقرب ملے اس کو اختیار کرلے اگر علوم اوائل کے ضروری حصوں پر اس کی نگاہ ہو گی تو انشاء اللہ یہ قوت تمیز اسے بآسانی حاصل ہو جائے گی اور کسی وقت اور ناکامی سے دوچار ہوئے بغیر وہ شریعت کی اصل شاہراہ پالے گا۔ ایسے شخص کو چاہیے کہ تعصب کے مہلک جراثیم سے اپنے دماغ کو پاک رکھے اور اختلاف و نزاع کی ان پر خطر وادیوں میں ہرگز قدم نہ رکھے جسے متاخرین نے تیار کر رکھا ہے۔ کیونکہ وہاں تضیع اوقات اور انتشار طبع کے سوا کچھ نہیں مل سکتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنی اور ہر دوسرے امام کی تقلید سے منع فرمایا ہے جس کا ذکر مزنی نے اپنی کتاب میں بہت تفصیل سے کیا ہے۔"

(۳) ابن حزم کا فتوی اس شخص پر بھی متحقق ہوتا ہے جو عالم اور علم دین سے بے بہرہ ہونے کی بنا پر تقلید کرنے میں تو حق بجانب ہو، مگر وہ کسی خاص امام کی تقلید اس اعتقاد کے ساتھ کرتا ہو کہ اس سے خطا کا ارتکاب غیر ممکن ہے، اور اس کا امام جو کچھ کہتا ہے وہ

حق ہی ہوتا ہے۔ نیز اس اعتقاد کے ساتھ وہ اپنی جگہ یہ فیصلہ بھی کرے کہ اس خاص امام کی تقلید پر وہ ہر حال میں قائم رہے گا۔ خواہ کسی مسئلہ میں اس کے قول کا خلافِ قرآن وحدیث ہونا ثابت ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یہی وہ یہودیت ہے جس نے بنی اسرائیل کی توحید کو بالکل شرک سے بدل دیا تھا جیسا کہ امام ترمذی نے عدی ابن حاتم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ پڑھ کر فرمایا کہ یہود اپنے احبار (علماء) اور رہبان (مشائخ) کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ مگر ان کا حال یہ تھا کہ جس چیز کو ان کے علماء اور مشائخ حلال کہہ دیتے اسے وہ بغیر کسی شرعی دلیل کے، حلال مان لیتے تھے اور جس شے کو وہ حرام قرار دے دیتے اسے وہ حرام سمجھ لیتے تھے۔

پس کسی امام کی تقلید اس اعتقاد کے ساتھ کرنا کہ اس کی زبان عین شریعت کی زبان ہے یقیناً غیر اللہ کی پرستش ہے۔

(۴) جو شخص اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ ایک حنفی کسی شافعی فقیہ، یا شافعی کسی حنفی فقیہ سے فتویٰ پوچھے یا اس کے پیچھے نماز پڑھے، وہ بھی ابنِ حزم کے فتوے کی زد میں آجاتا ہے اس لیے کہ یہ اجماع سلف اور صحابہ و تابعین کرام کے عمل کی کھلی ہوئی مخالفت ہے جو کسی حال میں بھی جائز نہیں ہو سکتی

یہ ہے ابنِ حزم کے قول کا منشا۔ ان قیود اور شرائط کو ملحوظ رکھکر اس کا اطلاق کیا جائے گا اور جہاں صورت حال یہ نہ ہو وہاں تک اس کا دائرہ وسیع نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک شخص جو محض اقوالِ رسولؐ ہی کو دین سمجھتا ہے، صرف اسی چیز کی حلت کا اعتقاد رکھتا ہے جسے اللہ اور اس کے رسولؐ نے حلال کیا ہو، اور صرف اسی شے کو حرام سمجھتا ہے جسے اللہ اور رسول نے حرام قرار دیا ہو، یعنی تحریم و تحلیل کا حق وہ ایک لمحہ کے لیے بھی کسی اور کو نہیں دیتا۔ لیکن ایمان اور اعتقاد کے باوجود چونکہ وہ اقوالِ رسولؐ پر وسیع نظر نہیں رکھتا، نہ متعارض نصوص کو تطبیق دینے کی قدرت رکھتا ہے، اور نہ نصوص شرعیہ سے احکام کا استنباط کر سکتا ہے، اس لیے اگر وہ ایک ایسے ثقہ اور صحیح النظر عالم دین کا اتباع کرتا ہے جو اس کے نزدیک

Marfat.com

رسول کے مطابق فتویٰ دینے والا ہے۔ اور یہ اتباع بھی وہ اس نظریہ کے ساتھ کرتا ہے کہ جب کبھی کوئی منصّ شرعی اس کے خلاف ملے گی تو بغیر کسی تعصب اور اصرار کے وہ اس قول کو ترک کردے گا تو پھر نہیں معلوم کہ کوئی شخص کیونکر ایسی تقلید یا اتباع کو ناجائز کہہ سکتا ہے جب کہ عہد نبویؐ سے لے کر اب تک تمام مسلمانوں میں افتاء اور استفتاء کی یہی سنت متواتر چلی آ رہی ہے۔ اب خواہ کوئی انسان کسی ایک ہی فقیہ سے ہمیشہ فتویٰ پوچھا کرتا ہو۔ یا کبھی ایک فقیہ سے اور کبھی دوسرے سے دونوں فعل جائز ہیں، بشرطیکہ مستفتی، فقیہ اور رسول کے فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھے۔

پس ہماری تقلید پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے جبکہ ہم کسی امام کے متعلق یہ ایمان نہیں رکھتے کہ وہ معصوم ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس پر علم فقہ کی وحی نازل نہیں کی ہے اور اس کی اطاعت ہم پر فرض کر دی ہے۔ ہم تو اگر کسی امام کا اتباع کرتے ہیں تو یہ جان کر کرتے ہیں کہ وہ کتاب و سنت کا عالم اور روح شریعت کا مزاج شناس ہے۔ اس لیے اس کا قول یا تو آیات و احادیث کے صریح دلائل پر مبنی ہے، یا ان سے ماخوذ اور مستنبط ہے۔ یا بہ قرائن سے اس نے یہ بات تحقیق کر لی ہے کہ یہ حکم فلاں علت کی بنا پر ہے اور جب اسے اپنی فہم کی صحت پر پورا اطمینان ہو گیا ہے تب ہی اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کر کے فتویٰ دیا ہے۔ گویا وہ دراصل زبان حال سے اس حقیقت کا اعلان کر رہا ہے۔ میرے خیال میں شارع علیہ السلام نے ایسا فرمایا ہے کہ جہاں کہیں یہ علت پائی جائے گی وہاں یہی حکم جاری ہو گا اور ایسے تمام قیاسی احکام اسی عموم میں داخل ہوں گے۔ یا بالفاظ دیگر یہ اقوال بھی شارع علیہ السلام کی طرف منسوب شمار کیے جائیں گے اگرچہ ان کی قطعیت یقینی اور شکوک سے بالکل پاک نہیں کہی جا سکتی۔

اگر یہ بات نہ ہوتی تو کوئی مسلم کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا۔ پس اگر رسولؐ معصوم (کہ صرف آپ ہی کی اطاعت اللہ نے ہم پر فرض کی ہے) سے ہمیں کوئی ایسی صحیح روایت مل جو قولِ امام کی مخالفت کرتی ہو۔ اور جسے بھی ہم اس کو دستور العمل بنائے ہوئے نص قطعی کو چھوڑ کر ظنِ انسان کی تقلید پر جمے رہیں۔ تو ہم سے بڑھ کر شقی اور نامراد کون ہو گا۔ اور کل

خدائے قہار کے سامنے ہم کیا جواب دیں گے ؟

جائز تقلید کی صحیح تصویر یہی ہے جو اِن چند لفظوں میں کھینچی گئی ہے۔ اگر امت مسلمہ غلو سے اپنے دماغ کو آزاد کرے اور اپنی آنکھوں پر سے تعصب کے پردے ہٹا کر اصل تصویر دیکھنے لگے تو بہت سی لفظی نزاعیں ختم ہو جائیں اور مذہبی اختلافات کی شورانگیز فضا کسی قدر امن و سکون کی خوشگواریوں سے بدل جائے

مسئلہ تقلید کے بعد دوسرا اہم مسئلہ استخراج مسائل کا ہے، جس کے دو اصول ہیں: ایک تو یہ کہ الفاظِ حدیث کا تتبع کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ فقہاء کے اصول کو سامنے رکھ کر مسائل کا استنباط کیا جائے۔ شرعًا ان دونوں اصولوں کی اہمیت مسلّم ہے۔ ہر دور کے فقہائے محققین کا طریقہ یہی رہا ہے کہ وہ ان دونوں اصولوں کا لحاظ رکھتے تھے۔ کوئی ایک کی رعایت زیادہ کرتا کوئی دوسرے کی۔ لیکن ایسا کبھی نہ کرتے کہ کسی اصل کو بالکلیہ ترک کر دیں۔ پس کسی جزئی حق کے لیے سزاوار نہیں ہے کہ وہ بالکل ایک ہی طرف جھک جائے جیسا کہ آج دونوں فریق کا عام شیوہ ہے۔ اور یقین کر کہ ان کا یہی "شیوہ" ان کی ساری ضلالتوں کا ذمہ دار ہے۔ دونوں اصولوں کو الگ الگ کر کے ہدایت کی سیدھی راہ پانا بہت مشکل ہے۔ حق کا راستہ یہ ہے کہ ان میں تفریق کرنے کے بجائے دونوں میں مطابقت پیدا کی جائے، اور ایک دوسرے کی عمارت ڈھانے کے بجائے اس کے کمزور مقامات کی اصلاح اور تشیید کا کام جائے۔ اس طرح احکام دین کا جو قصر تعمیر ہوگا، نہایت مستحکم اور حق کی ٹھوس بنیادوں پر قائم ہوگا، اور اس میں باطل کے راہ پانے کی کوشش قریب قریب بیکار ثابت ہوگی۔ اسی محتاط اور حکیمانہ نکتہ کی طرف امام حسن بصریؒ ہماری رہنمائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں

سنتکم والله الذی لا الٰہ — اُس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں

الا هو بینهما بین الغالی والجافی — کہ تمہارا راستہ حد سے بڑھنے والے اور

حد تک دولہ سہل انگاری کے پہنچنے والے دونوں کے بیچ میں ہے۔

یعنی حق کا مرکز افراط و تفریط کے بیچ میں ہے۔ جو اہل حدیث ہیں انہیں چاہیے اپنے اختیار کردہ مسلک کو مجتہدین سلف کی رایوں پر پیش کر لیا کریں۔ اسی طرح جو

تخریج ہیں اور مجتہدین کے اصول پر مسائل کا استنباط کیا کرتے ہیں، انہیں بھی چاہیئے کہ حتی الوسع صحیح اور صریح نصوص کو اپنے اصول اور سانچے پر قربان نہ کریں، اور نہ ایسا طریقہ اختیار کریں کہ ذخیرۂ حدیث کی صریح مخالفت کا انہیں بار اٹھانا پڑے۔

کسی محدث کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ ان اصول حدیث کے ابتاع میں بے جا تعمق اور تورغل سے کام لے جنہیں پرانے محدثین نے وضع کیا ہے۔ کیونکہ بہرحال وہ بھی انسان ہی تھے۔ فکر و نظر کی لغزشوں سے ان کے بنائے ہوئے قواعد محفوظ نہیں کیے جا سکتے۔ اور نہ شارع کی طرف سے ان کی صحت اور قطعیت پر کوئی سند پیش کی جا سکتی ہے۔ اس اصول پرستی کے تشدد آمیز رویہ سے بسا اوقات حدیث، اور قیاس صحیح دونوں کو رد کر دینا پڑتا ہے مثلاً انقطاع یا ارسال کے ایک ذرا سے شک کی بنا پر کتنی ہی حدیثیں متروک اور ناقابل استناد ٹھیرا دی جاتی ہیں، حالانکہ فی نفسہٖ وہ قولِ رسول ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ ابن حزم نے اسی طریقہ کی پیروی کرتے ہوئے تحریم معازف و باجوں کو حرام قرار دینے والی حدیث کو ناقابل حجت قرار دے دیا، صرف اس وجہ سے کہ امام بخاری کی روایت میں انقطاع کا شبہ پایا جاتا ہے، حالانکہ حدیث فی نفسہٖ صحیح اور اس کا سلسلہ اسناد متصل ہے۔ ہاں اگر کسی قوی نص سے تعارض ہوتو البتہ انقطاع کے شبہ کی بنا پر اُسے مرجوح قرار دیا جا سکتا ہے لیکن حدیث کو سرے سے متروک ٹھیرا دینا یقیناً زیادتی ہے۔

اسی طرح اربابِ حدیث کا ایک اصول یہ ہے کہ اگر ایک شخص کسی محدث کی روایت کو عموماً زیادہ صحت کے ساتھ محفوظ رکھتا ہے اور وہ اظہارِ صحت کی حفاظت سے اتنا اعتناء نہیں کرتا تو کلیتہً اس شخص کی ہر روایت جو اس محدث سے کسی اور دوسرے راوی کی روایت پر مقدم اور مرجح مانی جائیگی، خواہ اس دوسرے راوی کے اندر بھی اور بہتوں سے زیادہ کی واضح وجوہات کیوں نہ موجود ہوں۔ لوگوں کی یہ ذہنی سہولت سخت تنقید کے قابل ہے۔ ان میں جانتا کہ عام رواۃ حدیثوں کو بالمعنی بیان کیا کرتے تھے، الفاظ و حروف کے محفوظ رکھنے کا چنداں رواج نہ تھا۔ پس اول تصانیف میں جس طرح اہل ادب و علامت ایک ایک حرف کے تقدم و تاخر اور اس کی صحیح ترتیب سے کمال آفرینیاں پیدا کرتے ہیں، ویسا

Marfat.com

ہی تعمق متن حدیث میں برتنا. حتی کہ ایک کلمہ کی تقدیم یا تاخیر، الفاظ کی نشست اور فا
اور واؤ جیسے حروف کے دقیق معنوی خصائص سے استدلال کا رُخ متعین کرنا: جبکہ
روایتیں بالمعنی بیان کی گئی ہیں ایک طرح کی لغویت اور الفاظ کی ناروا غلامی ہے۔ ورنہ
دیکھتے ہوکر ایک ہی روایت میں ایک راوی ایک لفظ استعمال کرتا ہے اور بعینہٖ اُسی
روایت میں اُسی سند کے ساتھ دوسرا راوی ایک دوسرے ہی لفظ کے ذریعہ حدیث
مفہوم ادا کرتا ہے.

متن احادیث کے بارے میں صحیح مسلک یہی ہونا چاہئیے کہ راوی، جو کچھ بھی اپنی
سے کہے اسے کلام نبوی کی حیثیت سے مان لیا جائے۔ ہاں اگر کوئی اور قوی حدیث یا شر
دلیل اس کے خلاف مل جائے تو مقدم الذکر کو ترک کرکے اسے اختیار کرنا ضروری ہے

ایسی ہی ذمہ داری اور احتیاط اُن فقہا پر بھی عائد ہوتی ہے جو ائمہ مجتہدین کے اص
اور فتاوٰی کو سامنے رکھ کر مسائل کا استخراج کرتے ہیں۔ ان کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ د
دنیا جہان کے سارے مسائل کا حل انہیں اصولوں میں تلاش کیا کریں، اور اُن میں سے
کرید کرید کر ایسے اقوال نکالیں جن سے نہ تو خود ان کے ائمہ کے اصول اور ان کی تصریحا
سے کوئی دور کا تعلق ہو، نہ علمائے لغت ان سے یہ معانی سمجھ سکیں، اور نہ عرفِ عام میں
السیاطریقہ سخن فہمی رائج ہو بلکہ محض اپنے ذہن سے ایک علت متعین کرلی جائے،
ادنیٰ مشابہت تلاش کرلی جائے اور اُسے قولِ مجتہد مان کر صدہا مسائل میں اس خود آفریدہ
یا مشابہت کو معیارِ حکم ٹھیرا دیا جائے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ان تمام تدقیقات کو نہایت دیدہ دلیری
ساتھ امام کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے. حالانکہ اگر وہ امام جس کے قول سے یہ تصریحات کی
ہیں. آج زندہ ہوکر آجائے اور یہ مسائل براہِ راست اُس سے پوچھے جائیں. تو باوجو
اپنی تمام فہم و بصیرت اور مجتہدانہ ژرف نگاہی کے، ان بلند و قائق تک اس کا تخیل پا
نہ کرسکے گا. جنہیں اس کے پیچھے چلنے والوں نے اسی کے اقوال سے مستنبط کر رکھا ہے

تخریج کا یہ طریقہ نہایت غیر ذمہ دارانہ ہے۔ تخریج تو محض اس وجہ سے جا
کہ وہ درحقیقت مجتہد کی تقلید اور پیروی ہے، نہ کہ اس کی غلط ترجمانی اور اس کے اش

Marfat.com

پر بیجا حاشیہ آرائی۔ اور دیں تک اس کا تحقق ہو سکتا ہے جہاں تک امام کے اقوال عام اصولِ فہم و تدبر کے مطابق اجازت دے سکیں، ورنہ اگر قائل کے کلام کا رخ کسی طرف ہو اور اس کا ترجمان و مفسر کوئی اور رخ متعین کرے تو یہ تفسیر اور ترجمانی یا مقلدانہ تخریج نہ ہوگی بلکہ کوئی اور ہی چیز ہوگی۔

اس کے علاوہ ایسے فقہاء کو اس بات کا خیال رکھنا بھی بہت ضروری ہے کہ وہ اپنے اصول کی پیروی کے جوش میں ایسی مستند احادیث یا آثار کو نہ رد کر دیا کریں جنہیں عام امت میں مقبولیت حاصل ہو چکی ہو۔ مثال کے طور پر حدیث مصراۃ کو لو، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"جو شخص ایسی بکری خریدتا ہے جس کا دودھ تھن میں پہلے سے روک لیا گیا تھا (تاکہ خریدار دھوکہ میں آکر زیادہ دام لگائے)، تو اسے تین روز تک اختیار رہتا ہے۔ خواہ بکری رکھ لے یا ایک صاع گندم کے ساتھ واپس کر دے۔"

یہ حدیث متعدد طرق سے ثابت ہے اور ثقات نے اس کی روایت کی ہے لیکن احناف نے چونکہ یہ اصول وضع کر رکھا ہے کہ اگر راوی غیر فقیہ ہو اور اس کی روایت عام اصول کے مخالف ہو، اور کوئی عام قاعدہ نہ بنا سکتی ہو تو دوسرے سے وہ حدیث متروک العمل ہوگی، اس لیے باوجود صحیح اور مستند ہونے کے یہ حدیث ان کے نزدیک متروک العمل ہے کیونکہ وہ کوئی عام قانون نہیں بن سکتی اور راوی غیر فقیہ ہے۔

یہ طریقہ اربابِ حق کا طریقہ نہ ہونا چاہیئے۔ اس میں شریعت پر ایک طرح کی جسارت پائی جاتی ہے۔ فرمانِ رسالت کا احترام بہرحال انسانوں کے بنائے ہوئے اصول و قواعد کی رعایت سے بالاتر ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس غلط روی سے بچانے کے لیے فرمایا ہے:

"جب میں کسی مسئلہ میں کوئی رائے دوں یا کوئی اصول مقرر کر دوں پھر رسول اللہ کا کوئی فرمان اس کے خلاف مل جائے تو میری رائے کالعدم سمجھو۔ رسول اللہ کا فرمانا ہی اصل اصول ہے۔"[1]

---

[1] ترجمان القرآن۔ جون ۱۹۳۰ء

Marfat.com

اب ہم موجودہ مسائل مہمہ میں سے تیسرے مسئلہ پر جو قرآن وسنت کے تتبع سے متعلق ہے بحث کرنی چاہتے ہیں۔

احکام شرعیہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے کتاب وسنت کا جو تتبع کیا جاتا ہے اس کے مختلف مدارج ہیں۔ سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ انسان کو بالفعل احکام شرعیہ کی معرفت پر اتنا عبور ہو جائے کہ وہ مستفتیوں کے اکثر سوالوں کا جواب بآسانی دے سکے۔ اور انسانی زندگی میں پیش آنے والے عام واقعات کا شرعی حل معلوم کرنے میں اسے توقف اور خاموشی سے بہت کم کام لینا پڑے یہی مقام اجتہاد ہے۔ اس استعداد اور قابلیت کے حصول کے چند طریقے ہیں:۔

۱۔ کبھی یہ استعداد احادیث میں غائر تفکر اور شاذ و غریب روایتوں کے تتبع سے حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ امام احمد بن حنبل کا خیال ہے لیکن یہ نہ سمجھ لینا کہ اس ملکہ کے حاصل کے لیے بس یہی تفکر اور تتبع کافی ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انسان کے لیے ضروری ہے کہ ایک ماہر لغت وادب کی طرح مواقع کلام اور اسالیب بیان سے پوری واقفیت رکھتا ہو اور ایک وسیع النظر عالم کی طرح یہ بھی جانتا ہو کہ ائمہ سلف متعارض نصوص میں جمع وتطبیق کی صورت کس طرح پیدا کرتے تھے اور ان کے استدلال کا طریقہ کیا ہوا کرتا تھا۔

۲۔ کبھی یہ قابلیت اصولِ تخریج کو پوری طرح ضبط کرنے سے حاصل ہوتی ہے لیکن اس کے لیے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ انسان کسی امام کے اصول کو سامنے رکھ کر استنباط مسائل کا طریقہ جان جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ احادیث اور آثار کے ایک معتدبہ حصہ پر اس کی نظر ہو۔ تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ کہیں اس کا قول اجماع سے ٹکرا تو نہیں رہا ہے۔ یہ طریقہ اہل تخریج کا ہے۔

۳۔ تیسرا راستہ جو مذکورۂ بالا دونوں راستوں کی بہ نسبت اعتدال کا راستہ کہا جاتا ہے یہ ہے کہ ایک طرف آدمی قرآن وسنت سے اتنی آگاہی رکھتا ہو کہ فقہ کے اصولی اور اجماعی مسائل اور ان کے تفصیلی دلائل کا علم اسے بآسانی حاصل ہو سکے۔ دوسری طرف بعض اجتہادی مسائل پر کامل دسترس رکھتا ہو، ان کے تمام گوشوں پر اس کی نگاہ ہو، ایک قول کو دوسرے

قول پر ترجیح دے سکتا ہو ۔ لوگوں کے طریقہ تخریج پر نقد اور کھرے کھوٹے کی تمیز کر سکتا ہو، خواہ اس کے اندر وسعت نظر اور تبحر کے وہ شرائط اور لوازم نہ پائے جائیں جو ایک مجتہد مطلق کے لیے ضروری ہوا کرتے ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر اس کے لیے جائز ہے کہ مختلف رایوں کو تنقید کی نگاہ سے دیکھے، اور دو مختلف مذہبوں کے دلائل سے واقف ہو کر کچھ باتیں ایک مذہب کی اور کچھ دوسرے مذہب کی لے لے (یعنی تلفیق کرے)، اور بعض ایسی تخریجات کو ترک کر دے جو اگرچہ متقدمین کے نزدیک قابل قبول رہی ہوں لیکن وہ اپنی تنقید اور تحقیق کی روشنی میں انہیں غلط پائے۔ اسی وجہ سے تم دیکھتے ہو کہ جن علماء کو مجتہد مطلق ہونے کا دعویٰ نہ تھا، وہ اپنی فقہی تصانیف میں خود مسائل کی تخریج کرتے ہیں اور اکابر سلف کی آراء میں موازنہ کر کے ایک رائے کو دوسری رائے پر ترجیح دیتے ہیں ۔ جب اجتہاد اور تخریج دونوں قابل تجزیہ و تقسیم ہیں اور کسی جزئی مسئلہ میں اجتہاد کرنے کے لیے آدمی کا مجتہد مطلق ہونا شرط لازم نہیں ہے تو پھر مسائل کی تحقیق میں اس طریقہ کا اختیار کرنا لوگوں کی نگاہ میں کیوں مستبعد اور ناقابل قبول دکھائی دیتا ہے؟ تحقیق کا مقصود تو محض ظن غالب کے حصول تک ہے اور اسی پر تصنیف کا دارومدار ہے۔

رہ گئے وہ لوگ جو اتنی گہری نظر نہیں رکھتے اور جنہیں اللہ نے اتنی فہم و بصیرت عطا نہیں کی ہے کہ قرآن و سنت پر غور کر کے بطور خود مسائل کی چھان بین کر سکیں۔ انہیں چاہئے کہ اپنی زندگی کے عام معاملات میں مذاہب مروجہ کے ان طریقوں اور فیصلوں کو اپنا مذہب سمجھیں جنہیں انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے سلسلے سے اخذ کیا ہے۔ لیکن جو واقعات معمول نہ ہوں بلکہ اہم اور نادر الوجود ہوں ان میں اپنے کسی قریب کے مفتی کا ابتاع کریں اور قضایا میں قاضی کے حکم کی تعمیل کریں۔ بس یہی ان کے لیے سب سے مضمون راہ ہے۔

اسی خیال پر ہم نے ہر مذہب کے قدیم اور جدید علماء متقنین کو پایا ہے اور تمام ائمہ مذاہب نے اپنے پیروؤں کو اس کی وصیت بھی کی ہے۔ الیواقیت والجواہر میں ہے:

"ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص میری دلیل سے واقف نہ ہو اسے میرے قول پر فتویٰ دینے کا کوئی حق نہیں۔ خود امام موصوف جب کوئی فتویٰ دیا کرتے تو

Marfat.com

کہتے یہ نعمان ابن ثابت کی (یعنی میری) رائے ہے جسے ہم نے اپنے علم و فہم میں بہتر سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی اس سے بہتر اور احسن رائے پیش کرے تو پھر ہماری رائے کے مقابلہ میں اس کی رائے صائب اور حق سے زیادہ قریب ہوگی۔"

"امام مالک رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ ہر شخص کے اقوال دو قسم کے ہوتے ہیں کچھ لینے کے قابل اور کچھ رد کر دینے کے قابل۔ صرف ایک ذات اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے اور وہ رسول اللہ کی ذاتِ معصوم ہے۔"

"حاکم اور بیہقی نے امام شافعی سے روایت کی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے جب کوئی حدیث پایۂ صحت کو پہنچ جائے تو اسی کو میرا مذہب سمجھو۔ ایک دوسری روایت میں امام صاحب کا یہ قول منقول ہے کہ جب تم یہ دیکھو کہ میرا قول حدیث نبوی کی مخالفت کر رہا ہے تو حدیث پر عمل کرو اور میرا قول دیوار پر دے مارو۔ ایک روز امام مزنی سے آپ نے فرمایا کہ ابراہیم میری ہر بات کی کورانہ تقلید نہ کرو بلکہ بذاتِ خود اس میں غور کر لیا کرو کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے۔"

امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ اللہ اور رسول کے مقابلہ میں کسی کی رائے کو کوئی وقعت حاصل نہیں۔ تم نہ میری تقلید کرو اور نہ کسی اور امام کی۔ جس طرح انہوں نے کتاب و سنت سے احکام دین کی معرفت حاصل کی تم بھی حاصل کرو۔ کسی شخص کو فتویٰ دینے کا استحقاق نہیں تاوقتیکہ وہ تمام ائمہ کے مذاہب اور اقوال سے پوری طرح واقف نہ ہو۔ اگر اس سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا گیا جس کے متعلق اسے معلوم ہے کہ اس میں وہ تمام ائمہ جن کی عموماً پیروی کی جاتی ہے، متفق ہیں تو وہ یوں کہہ سکتا ہے کہ یہ جائز ہے اور وہ ناجائز ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اس کا اپنا قول اور فتویٰ نہ ہوگا بلکہ ائمہ مجتہدین کے قول کی ترجمانی ہوگی۔ لیکن اگر مسئلہ ایسا ہے جس میں علماء کی رائیں مختلف ہیں تو وہ اس کے جواب میں یہ تو کہہ سکتا ہے کہ فلاں امام کے نزدیک یہ جائز ہے اور فلاں کے نزدیک ناجائز، مگر اسے یہ حق نہیں ہے کہ بقیہ اقوال کو چھوڑ کر کسی ایک رائے کو اختیار کر کے فتویٰ دیدے، الا آنکہ اس رائے اور مذہب کے دلائل سے بخوبی باخبر ہو۔

"امام ابو یوسفؒ اور زفرؒ وغیرہ علماء سے منقول ہے کہ جب تک کوئی شخص یہ نہ معلوم کر لے کہ ہم نے یہ رائے کہاں سے اخذ کی ہے اس وقت تک وہ ہمارے اقوال پر فتویٰ دینے کا

مجاز نہیں۔"

"عصام ابن یوسفؒ سے جب کہا گیا کہ آپ امام ابوحنیفہؒ کی رایوں سے اکثر اختلاف کرتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کی وجہ کھلی ہوئی ہے۔ انہیں جو فہم اور دقتِ نظر حاصل تھی ہمیں حاصل نہیں، وہ ڈوب کر جن گہرائیوں سے حقائق نکال لاتے ہیں وہاں تک ہماری کمزور نگاہوں کی رسائی نہیں ہوسکتی اور ہمارے لیے جائز نہیں کہ بغیر سمجھے بوجھے ان کے اقوال پر فتویٰ دیں۔"

"ابوبکر الاسکاف البلخی سے پوچھا گیا کہ کیا ایسے شخص کے لیے جو اپنے شہر کا سب سے بڑا عالم ہو، جائز ہے کہ فتویٰ دینے سے رکا رہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر وہ عالم درجۂ اجتہاد رکھتا ہو تو جائز نہیں۔ لوگوں نے کہا کہ درجۂ اجتہاد کب حاصل ہوتا ہے؟ جواب دیا کہ جب ایک شخص مسائل کے تمام پہلوؤں پر نگاہ رکھتا ہو اور معترضین کو معقول اور تسلی بخش دلیلوں سے خاموش کرسکے تو وہ مجتہد ہے۔"

ابن الصلاح کا قول ہے کہ "اگر کوئی شافعی ایسی حدیث پائے جو اس کے مذہب کے خلاف ہو تو اسے اپنے علم اور تفقہ کا جائزہ لینا چاہیے۔ اگر وہ اپنے اندر اجتہاد مطلق کی یا خاص اسی ایک مسئلہ میں اجتہاد کرنے کی پوری استعداد پائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ غور و فکر کرنے کے بعد اس حدیث پر عمل کرے اور تقلید کا خیال ترک کردے۔ لیکن اگر وہ اپنے کو اس مقام سے فروتر محسوس کر رہا ہے اور اجتہاد کی طاقت سے بے بہرہ ہے مگر غور و فکر کرنے کے بعد کوئی معقول دلیل نہ پانے کی وجہ سے حدیث کی مخالفت بھی اس پر شاق گزر رہی ہے تو بھی حدیث ہی کا اتباع کرنا چاہیے بشرطیکہ امام شافعی کے بجائے کسی اور امام نے اس پر عمل کیا ہو، کیونکہ اس صورت میں اس دوسرے امام کا اتباع امام شافعی کے اتباع کا قائم مقام ہوجائے گا۔" یہ ابن الصلاح کی رائے ہے اور امام نوویؒ نے بھی اس کو مستحسن اور مختار قرار دیا ہے۔

چوتھا مسئلہ جسے ہماری جاہلانہ اور متعصبانہ ذہنیتوں نے اختلاف اور شقاق کی رسم بنا لیا ہے وہ فقہاء کا باہمی اختلاف ہے۔ حالانکہ ان اختلافات میں سے اکثر و بیشتر خصوصاً صحابہؓ میں بھی مختلف تھے اور دونوں طرح کی رائیں ان سے منقول ہیں، مثلاً نسخ تلاوت اور

Marfat.com

عیدین کی تکبیروں کا اختلاف، نکاح محرم (حج کے لیے احرام باندھ لینے والے) کے جواز کا اختلاف ابن عباسؓ کے تشہد اور ابن مسعودؓ کے تشہد کا اختلاف، بسم اللہ اور آمین کو آہستہ یا بلند آواز سے کہنے کا اختلاف وغیرہ) فی نفسہ آپس میں نہ کوئی اساسی تباین رکھتے ہیں اور نہ ان کی اصل مشروعیت میں ائمہ سلف کا کوئی اختلاف ہے۔ بلکہ اختلاف جو کچھ ہے وہ محض ایک . . . کو دوسرے پر ترجیح دینے میں ہے۔ یہ بھی مانتے ہیں کہ یہ تمام مذاہب کتاب وسنت سے مستنبط ہیں۔ لیکن چونکہ ہر شخص کی نظرِ تحقیق اور قوتِ اجتہاد جدا گانہ ہوا کرتی ہے اس وجہ سے جو مذہب دوسرے کے نزدیک مرجوح تھا اس کے نزدیک راجح اور اولیٰ ثابت ہوا اور اس نے اسے اختیار کر لیا۔ مثال کے طور پر قرأت کو لو اور دیکھو کہ قرآن ایک ہی لفظ اور آیت کی قرأت میں کس قدر مختلف ہیں۔ یہی حال علمائے فقہ کے اختلاف کا ہے چنانچہ وہ اکثر اپنے اختلاف کی تعلیل بھی یہی کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی یہ رائے بھی تھی اور وہ بھی یعنی وہ بھی آپس میں اختلاف رائے رکھتے تھے۔ حالانکہ وہ سب کے سب ہدایت کی روشن شاہراہ پر تھے۔ کون ہے جو ان کے کسی فرد پر کجروی اور سنت نبوی کی مخالفت کا الزام عائد کر سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ علمائے حق مسائل اجتہادیہ میں تمام ارباب افتاء کے فتووں کو جائز سمجھتے اور قضاۃ کے فیصلوں کو تسلیم کرتے آتے ہیں اور بسا اوقات اپنے مذہب کے خلاف بھی عمل کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ تم اس قسم کے اختلافی مسائل کے بارہ میں تمام ائمہ مذاہب کو دیکھو گے کہ وہ مسئلہ کو پھیلا کر بیان کرنے اور تمام اختلافی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے بعد یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ "یہ میرے خیال میں احوط طریقہ ہے۔" "یہ رائے مختار ہے۔" یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔" اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ "ہم تک صرف یہی حکم پہنچا ہے،" اس کے شواہد المبسوط، آثار محمدؒ اور اقوال شافعیؒ میں بے شمار موجود ہیں۔ یہ وہ مبارک دور تھا جب دین کا چشمۂ صافی شقاق ونزاع کے مہلک جراثیم سے قریب قریب پاک تھا اور اجتہادی اختلافات جامۂ ملت کے لیے مقراض کا کام نہیں دے رہے تھے۔ لیکن اس کے بعد تعصب کا طوفانی سیلاب آیا۔ نگاہوں کی وسعت کم ہونے لگی۔ لوگوں نے بقیہ اختلافی پہلوؤں سے صرف نظر کر کے صرف ایک پہلو کو لے لیا۔

ذمّہ دارکون

آج ہماری جوحالت زار ہے اس کی ذمّہ داری تمام مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ اس رسوائی کے لیے کسی گروہ کو کم ذمّہ دار گردانا جائے اور کسی کو زیادہ، لیکن اس وقت جس جہالت، بے راہروی، کفر، کمزوری اور ذلت میں ہم مبتلا ہیں اور احتیاج اور ظلم جس طرح ہم پر مسلّط ہو چکے ہیں اس کی جوابدہی سے کوئی بھی مستثنےٰ نہیں۔

عوام کی ذمّہ داری

اسلام کی موجودہ کس مپرسی کا دَور مسلمان عوام کی جہالت کا لایا ہوا ہے۔ عرصۂ دراز سے یہ طبقہ اسلام کی تعلیمات سے دُور ہوتا چلا جا رہا ہے، اور آج حالت یہ ہو چکی ہے کہ انہیں یہ احساس ہی نہیں رہ گیا کہ اسلام کا دامن ان کے ہاتھ سے پوری طرح چھوٹ چلا ہے۔ گناہ، کفر اور الحاد کے ساتھ ان کی بے تکلفی اتنی بڑھ چکی ہے کہ وہ ان کرتوتوں کو پلید بھی نہیں سمجھتے ـــ اور یہ بات تو اُن کے حاشیۂ خیال میں بھی کبھی نہیں اُبھرتی کہ اسلام نے فسق و فجور اور کفر و الحاد کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ اُن کے سوءِ طرزِ عمل سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اسلام ان چیزوں سے کوئی تعرّض نہیں کرتا۔

حالانکہ اسلام نے مسلمانوں پر یہ بات لازم قرار دی ہے کہ وہ خود اسلام کو سیکھیں، سمجھیں اور دوسروں کو سکھائیں۔ اللہ نے فرمایا:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ (التوبہ: ۱۲۲)

ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصّے میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور

Marfat.com

دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جاکر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے۔

اس حکم کے مطابق ماضی میں اکثر ایسا ہوا کہ کچھ لوگ اپنے گھروں سے دین سیکھنے کے لیے نکلے اور پھر واپس جاکر انہوں نے اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کو دین سمجھانے اور خدا کی پکڑ سے ڈرانے کی کوششیں کیں، لیکن اقتدار پرست حکمرانوں نے ان کے خلاف ہمیشہ محاذ آرائی جاری رکھی اور شیطان اور استعماری قوتوں کو خوش کرنے کے لیے ان کے راستے میں روڑے اٹکائے۔ دوسری طرف عوام نے بھی اکثر و بیشتر علماء کی بجائے حکمرانوں کا ساتھ دیا اور اپنے اس طرزِ عمل کے ذریعے وہ اسلام کا گلا گھونٹنے اور اس کی خاطر کام کرنے والی جماعتوں کو ختم کرنے والوں کے مددگار بنے رہے۔ آج یہ لوگ اپنی عزت، شرافت اور قوت سب کچھ کھو چکے ہیں۔ استعماری طاقتوں اور اپنے حکمرانوں کے غلام بن کر رہ گئے ہیں۔ یہ قوتیں آج بھی اُن کا خون نچوڑ رہی ہیں، اُن کی شرافت کو اپنے پاؤں تلے روند رہی ہیں اور ان کی آزادی پر پے در پے وار کیے چلی جا رہی ہیں اور یہ موقع ان کو اس لیے مل رہا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دین کو خیرباد کہہ رکھا ہے۔ مَیں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ آج بھی دین کی طرف لَوٹ آئیں تو ان کی ہر چیز واپس لوٹ سکتی ہے۔ مگر اس وقت دُنیا بھر کی مسلم آبادی تباہ کن غفلت کا شکار ہے۔ اس کی بہت بڑی اکثریت دین، دُنیا اور حتّٰی کہ اپنے آپ سے بھی بے خبر ہے۔

حکمرانوں کی ذمّہ داری

آج اسلام جس قدر بے یار و مددگار ہے اور مسلمان جس ذلّت اور رسوائی میں

مبتلا ہیں۔اس کی سب سے زیادہ ذمہ داری مسلمان ممالک کے حکمران طبقے پر عائد ہوتی ہے۔

اس طبقے نے اسلام کو انسانی زندگی سے بہت دور دھکیل دیا ہے۔ان لوگوں نے اپنی اپنی حدود اقتدار میں سراسر اسلام کے خلاف احکامات اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو رواج دے رکھا ہے۔یہ حکومتیں مسلمانوں کو خدا کی ہدایت سے نکال کر یورپ کی گمراہی میں گرا رہی ہیں۔

مسلمان حکومتیں آج عدالت، سیاست اور انتظام ہر لحاظ سے اسلام کے دائرے سے نکل چکی ہیں۔اسلام کے بنیادی اصولوں کو انہوں نے اس طرح فراموش کر دیا ہے کہ آج آزادیٔ فکر، مساوات اور انصاف کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے۔اسلام کے واجبات کو انہوں نے نظرانداز کر رکھا ہے۔ملت مسلمہ میں اتحاد، خیرخواہی اور باہمی تعاون کے جذبات کا خطرناک حد تک فقدان ہے۔یہ حکومتیں ظلم، وحشت اور بربریت پر دلیر ہوگئی ہیں۔معاشرے کی عمارت کو فساد، تخریب کاری، گناہ اور نافرمانی، بغاوت اور سرکشی کی بنیادوں پر استوار کر رہی ہیں۔مختصر یہ کہ یہ حکمران ٹولے مسلمانوں کے دین سیکھنے، اپنے رب کی پہچان کرنے اور اپنے فرائض کی ادائیگی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ بن گئے ہیں۔

ان لوگوں نے اسلام کے دشمنوں کو اپنا دوست بنالیا ہے حالانکہ اسلام ایسی دوستیوں کا سختی سے مخالف ہے۔یہ لوگ مسلمانوں کے معاملات میں اپنے ان کافر دوستوں کی آراء سے فیصلے کرتے ہیں۔حالانکہ یہ اطاعت ان کے لیے قطعاً جائز نہیں اس لیے مسلمان حکمران اسلام کی موجودہ حالت کے لیے دوسرے تمام لوگوں سے بڑھ کر جوابدہ ہیں۔ہوسکتا ہے وضعی قوانین انہیں جوابدہی سے مستثنیٰ کر دیں، لیکن اللہ کے ہاں انہیں ہر چھوٹے سے چھوٹے اور ہر بڑے سے بڑے عمل کے لیے جوابدہی کرنی ہوگی۔

Marfat.com

اے سربراہانِ ممالک! اقتدار تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اتنی قوت صرف تمہارے پاس ہے کہ تم اسلام کو اس کا پہلا مقام دلا دو۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ جو خلافِ اسلام اقدار تمہیں وراثت میں ملی تھیں تم نے بھی انہی کو اپنا لیا ہے۔ حالانکہ یہی وہ اقدار ہیں جن سے اسلام پر زد پڑتی ہے اور پھر اس کے ماننے والوں کی ترقی پستی میں بدل جایا کرتی ہے۔ اگر تم سوچو تو اسلام کی قوت تمہاری قوت اور اس کی کمزوری تمہاری کمزوری ہے۔ کسی طاقتور خود مختار حکومت کا ایک عام شہری بن کر رہنا تمہارے لیے اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ تم کسی ایسی حکومت کے صدر، وزیر یا اعلیٰ افسر بن کر رہو جس میں احکام جاری کرنے کے اختیارات کسی استعماری طاقت کے ایک ادنیٰ کارکن کے پاس ہوں اور اسے اتنا اقتدار حاصل ہو کہ اس کے ایک اشارے سے تمہارے تخت کانپ اٹھیں اور بڑے بڑے سرداروں کے سر زمین بوس ہو جائیں۔

اے امراءِ ملّت! تم ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے ہو۔ حالانکہ تمہارا اور اسلام کا بھلا میں ہے کہ تمہاری قوت یکجا ہو۔ تم ایک دُوسرے سے ناراض اور دُور دُور رہتے ہو جب اسلام تمہارے باہمی تعاون کے لیے بے قرار ہے۔ اس کے اور تمہارے اپنے مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ انکساری سے پیش آؤ۔ باہم دوست بن کر رہو، نہ یہ کہ تم استعماریوں کے سامنے جُھک کر اُن کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ۔

اے معشرِ رؤسا! تم پہلے مسلمان ہو اور کچھ اور بعد میں۔ اس لیے اسلام کو سب سے مقدم رکھو۔ اس کو اپنے لیے فیصل قوت بناؤ۔ اسی پر اپنے اقتدار کی عمارت استوار کرو۔ اسلامی حکومت کے قیام کی راہ میں اپنی اپنی ذات کو چکنے پہاڑ کی صورت میں کھڑا نہ کر دو۔ یاد رکھو تمہاری یہ شخصیتیں فنا ہو جانے والی ہیں۔ موت کے بعد تمہارا یہ دولت اور یہ خاندان تمہارے لیے بالکل بے کار ہوں گے۔ وہاں صرف اللہ کے

ں بجاآوری تمہارے کام آسکے گی۔ تم تاریخ کے اندر اسلامی حکومت کو واپس لانے
والوں کی حیثیت سے یاد رہنے کی کوشش کرو۔ بات صرف تمہارے ناقابلِ تسخیر عزم
ں ہے۔ اگر تم اپنے آپ پر قابو پالو تو ہر چیز کو پا سکتے ہو، لیکن اگر تم نے مفادات،
ومت اور اقتدار کے حسین سرابوں کے سامنے سپر ڈال دی تو تمام مسلمان پارہ پارہ
ر کر ذلت اور رسوائی کے گڑھوں میں جا گریں گے اور استعماری قوتیں تمہیں بے وقعت
دیں گی۔

اے سردارانِ ملت! حکومت اور عہدوں کا لالچ نہ کرو۔ خطابات اور تاج کے
تہ چمٹ نہ جاؤ، کیونکہ یہی وہ مرض ہے جس نے مسلمانوں کی رُوح ایمان کو مضمحل کر
ہے اور انہیں پھاڑ کر چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں بانٹ دیا ہے۔ اب نہ وہ اپنے
من سے دفاع کر سکتے ہیں نہ اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کے قابل ہیں۔ چنانچہ
ج اپنی کثیر تعداد، وسیع علاقوں، بے اندازہ خام مال، لاتعداد کام کرنے والے ہاتھوں
د سیادت و عزت کے تمام سامان موجود ہونے کے باوجود مسلمان دُنیا کی ذلیل ترین
بن کر رہ گئے ہیں۔

آج تک اگر تم پر مفادات، عہدے اور خطابات غالب رہے ہیں اور ان کے
ل کی دوڑ میں تم ملت کے مفاد سے غافل رہتے ہو، تو آج ہی یہ کوشش کر لو کہ
رے اجتماع کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تاکہ تمہارے مُلک ایک متحدہ قوت بن
دُنیا کے نقشے پر اُبھریں اور اس اتحاد کی بدولت تمام مسلمان ایک قوم اور ایک
ت بن جائیں۔

اے اصحاب جاہ و حشم! اللہ تم سے پُوچھے گا کہ اسلام تمہاری مملکتوں میں اجنبی
کیوں رہ گیا تھا اور حکومت کے کام کاج سے اسے کیوں معطل کر دیا گیا تھا۔

وہ تم سے جواب طلبی کرے گا کہ تم نے مسلمانوں کو انتشار، کمزوری اور بے وقعتی کی مثال کیوں بنا چھوڑا تھا۔

یاد رکھو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

انکم ستحرصون علیٰ الامارۃ۔ وستکون ندامۃ یوم القیامۃ فنعم المرضعۃ وبئست الفاطمہ۔

تم اقتدار کے پیچھے بھاگو گے تو قیامت کے دن شرمساری کے سوا تمہارے حصّے میں کچھ نہ آئے گا۔ یہ دودھ پلاتے ہوئے بہت اچھا اور دودھ چھڑانے میں انتہائی برا جانور ہے۔

خبردار رہو کہ اقتدار ایک امانت ہے۔ قیامت کے دن اس کی گرفت سے وہی بچ سکے گا جس نے اس کے حقوق ادا کیے ہوں گے اور فرائض بجا لائے ہونگے۔ اس لیے یہ امانت ان لوگوں کے سپرد کردو جو اس کے حقوق ادا کریں اور فرائض بجا لائیں۔ ورنہ اللہ کے سامنے جوابدہی تمہیں ہی کرنی پڑے گی۔ ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کی تھی کہ مجھے گورنر بنا دیجئے۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا تھا: ابوذر یہ (بڑی بھاری) امانت ہے اور تم بہت کمزور ہو۔

علماء کی ذمّہ داری

مسلمانوں اور اسلام کی موجودہ حالت کی ذمّہ داری علماء کے کندھوں پر بھی پڑتی ہے۔ بلکہ وہ اپنی پشتوں پر عوام کی اسلام سے بے خبری اور استعماری قوتوں کی سازشوں کی کامیابی کا بوجھ بھی لادے ہوئے ہیں۔

یہ لوگ استعمار کے ہتھکنڈوں سے اغماض برت رہے ہیں مسلمان حکومتوں کے

بارے میں بھی ان کی روش یہی ہے۔ عوام کو اسلام سے بے خبر بھی اُنہوں نے ہی چھوڑ رکھا ہے۔ اس طرح یہ گروہ اسلام اور مسلمانوں کے درمیان ایک دیوار کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ یہ گروہ عوام کو نہیں بتاتا کہ استعماری طاقتوں اور اُن کے ساتھ تعاون کرنے والی مسلمان حکومتوں کے بارے میں اسلام کی ہدایات کیا ہیں۔ چنانچہ عوام نے استعمار کے بارے میں خاموشی اختیار کر لی ہے اور استعمار کی ایجنٹ حکومتوں کے اطاعت گزار بن گئے ہیں۔ کیونکہ اُن کا یہ اعتقاد ہے کہ علماء کسی ایسی چیز پر ہی سکوت فرماتے ہیں جو اسلام کے مطابق ہو اور اللہ کو پسند۔

مگر علماء ہیں کہ صدیوں سے آنکھیں موندے، ہونٹوں پر مہریں لگائے اور کانوں میں اُنگلیاں ٹھونسے حالات سے بے خبر سوئے پڑے ہیں۔ ان کو سوتا دیکھ کر مسلمان عوام نے بھی لمبی تان لی ہے اور یہ یقین کیے ہوئے ہیں کہ اسلام پوری طرح محفوظ ہے کیونکہ اگر اسلام خطرے میں ہوتا تو علماء یوں گھوڑے بیچ کر نہ سو رہتے۔

اب حال یہ ہے کہ خلافِ اسلام باتیں علی الاعلان کہی جا رہی ہیں غلط احکامات کھلم کھلا نافذ کیے جا رہے ہیں۔ اسلام کے خاتمے کے لیے مروڑ کوششیں ہو رہی ہیں مگر ان حضرات کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

حکّام عوام پر مظالم توڑ رہے ہیں۔ حرام کو حلال بنا رہے ہیں۔ خون بہا رہے ہیں، عزتیں لوٹ رہے ہیں۔ اللہ کی قائم کردہ حدوں کو توڑ رہے ہیں اور زمین میں فساد پھیلا رہے ہیں۔ لیکن ان تمام کج کلاہیوں کے خلاف علماء کی صفوں میں کوئی ہلچل پیدا نہیں ہوتی۔ گویا وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی طرف سے اُن پر اس سلسلہ کی کوئی ذمّہ داری نہیں۔ حکّام کو نصیحت کرنا اور انہیں راہ راست پر لوٹانا ان کا کام نہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کسی ایسی چیز کے نام ہیں جس کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

ماضی قریب میں دُشمن مسلمانوں کے علاقوں پر قابض ہوتا رہا۔ مگر علماء کے اندر غضب کی کوئی لہر نہ دوڑی۔ اُنہوں نے عوام کو قرآن وسنّت کے وہ احکامات سنانے کی کوئی کوشش نہ کی جن میں ان قابض ہونے والوں اور دیگر دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ یہ بات ان علماء کے فرائض میں شامل تھی کہ وہ ان گھس بیٹھیوں کا بائیکاٹ کرتے۔ لیکن واحسرتا! کہ بائیکاٹ کی بجائے اُنہوں نے ان کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھائیں۔

مسلمانوں کے ممالک میں انسانوں کے وضع کردہ قوانین نافذ کیے گئے جس سے اسلام جزوِ معطّل بن کر رہ گیا۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے لیا گیا ـــــ مگر علماء "زمین جُنبد نہ جُنبد گُل محمد" کی تصویر بنے رہے۔ آج بھی وہ اسلام کے نام پر دُنیا سمیٹ رہے ہیں۔ مگر وہ اس کی خاطر کسی گیلی زمین پر پاؤں رکھنے کے لیے تیّار نہیں۔

آوارگی اور گناہ بڑھ گئے ہیں، شراب خانے عام ہو گئے ہیں۔ رقص گاہوں نے رواج پا لیا ہے۔ مسلمان حکومتوں نے مسلمان عورتوں کو قحبہ گری کی اجازت دے دی ہے۔ لوگ خلافِ اسلام کام کُھلم کُھلا کرنے لگے ہیں اور علماء ان تمام بے حیائیوں پر ایک خاص "ادا" سے "ہُوں" کہہ کر اپنے حُجروں میں جا بیٹھے ہیں گویا سبکدوش ہو گئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب بھی کسی حکومت نے ملک میں اضطراب کی لہر محسوس کی، وہ علماء کے پاس دوڑی۔ اور انہوں نے یہ سوچے بغیر کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی خواہشات کو اسلام کے احکامات پر ترجیح دے رکھی ہے جو شراب اور زنا کو جائز کہتے اور کفر اور گناہ کے مددگار بنتے ہیں۔ عوام کو ان کی اطاعت پر آمادہ کرنا شروع کر دیا۔ اور اب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ ملک میں فسق وفجور عام ہو گیا ہے۔ فساد بڑھ گیا ہے۔ اصلاح مشکل سے مشکل تر ہوتی جا رہی ہے اور نادان اور ان پڑھ مسلمان گناہ اور نافرمانی

Marfat.com

کو ہی ثواب جاننے لگے ہیں۔

علماء انبیاء کے وارث ہیں، مگر ان کے اس طرزِ عمل کا اس وراثت کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں۔ اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری علماء پر ڈالی ہے اب اگر علماء ہی اس کی انجام دہی سے کنارہ کش ہو جائیں تو کوئی دُوسرا بھلا اس کا بوجھ اپنے کاندھوں پر کیونکر لے گا۔

مجھے تسلیم ہے کہ مصر میں ایک وقت ایسا آیا تھا جب علماء اپنے اجتماعات میں ملکی حالات و مسائل کو زیرِ بحث لانے لگے تھے اور عوام کے اندر پریشانی کی لہریں اور کچھ کر گزرنے کے جذبات اُبھر آئے تھے لیکن میں یہ بات قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ سب کچھ اسلام کی خاطر نہیں تھا۔ بلکہ اس کے پیچھے اپنی شخصیتوں کو نمایاں کرنے کی خواہش تڑپ رہی تھی اور سامنے عہدوں کی چکا چوند اپنا جادو جگا رہی تھی۔ اخباری بیانات، عوامی اجتماعات اور دھواں دھار تقریریں اور ان کو آیات اور احادیث سے مرصع کرنا سب اسی غرض سے تھا۔ ان کے ہاں اس وقت اسلام کی نسبت اپنی ذاتیں زیادہ اہم تھیں۔ اسلام کی عزت کی نسبت انہیں اپنی عزت کا زیادہ پاس تھا۔ اور اس سے بھی زیادہ دُکھ کی بات یہ ہے کہ ان اجتماعات میں اگر کوئی اسلام کا نام لیتا تھا تو اسے خاموش کرا دیا جاتا تھا۔

اے علماء اسلام! اللہ سے ڈریے۔ اس کے بندوں میں آپ بے وقعت اسی لیے ہو گئے ہیں کہ آپ نے ان کے رب کے دین کی بے وقعتی کی ہے۔ یہ بات پُوری طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ آپ کی عزت، اسلام کی عزت کے ساتھ اور آپ کی قوت، اسلام کی قوت کے ساتھ ہے۔ اس لیے اگر آپ عزت اور قوت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو صرف اور صرف اسلام کے لیے کام کیجیے۔

Marfat.com

اسلام نے کہیں یہ حکم نہیں دیا کہ آپ اللہ کے احکامات کو بیان نہ کریں۔ اور اپنی زبانوں پر مہریں لگا کر اللہ کے دشمنوں کو محرمات پر دست اندازی کرنے کی کھلی چھٹی دے دیں۔ اسلام نے کہیں یہ نہیں کہا کہ حکومتیں تو اسلام سے روگردانی میں مصروف ہوں اور آپ دین کے احکامات طلبہ کو پڑھانے میں مگن رہیں۔

اسلام میں کہیں یہ درج نہیں کہ آپ لوگوں کو صرف اخلاق اور عبادات کی تعلیم دیں اور انہیں حکومت، قانون، عدالت، معاشرت اور اقتصاد کے مسائل سے بے خبر چھوڑ دیں۔ اپنا فرض منصبی ہونے کے باوجود آخر یہ باتیں آپ لوگوں تک کیوں نہیں پہنچاتے۔ آپ انہیں کیوں نہیں بتاتے کہ اگر ملک پر دشمن قابض ہو جائے تو ان کے لیے کیا حکم ہے۔ آپ ان پر یہ کیوں واضح نہیں کرتے کہ جو لوگ ان قبضہ جمانے والوں کو اپنا دوست بنالیں، اور ان کے برعکس جو لوگ ملک کو ان ظالموں سے نجات دلانے کے لیے جدوجہد کریں، ان سب کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کے کیا ارشادات ہیں۔ آپ عوام الناس کو ایسے حکام کے بارے میں اسلام کی ہدایات سے کیوں روشناس نہیں کراتے جو مسلمانوں پر ان کے مذہب کے خلاف احکامات نافذ کرتے ہیں اور انہیں یہ کیوں نہیں سمجھاتے کہ اُن کے خلاف جہاد کرنا عوام کا فرض ہے۔

آپ ان کو انسان کے خودساختہ قوانین کے بارے میں اسلام کا فیصلہ کیوں نہیں سناتے۔

آپ لوگوں کو ذخیرہ اندوزی اور لوٹ کھسوٹ سے متعلق اسلام کی تہدید سے کیوں واقف نہیں کراتے اور ان کا جو تعلق ہمارے موجودہ اقتصادی مسائل کے ساتھ ہے، اس کو کیوں واضح طریق پر بیان نہیں کرتے۔

اسلام اور قوم پرستی

راناصابر نظامی

ادارہ تفہیم اسلام
قذافی مارکیٹ۔ ارد و بازار، لاہور

Marfat.com